رسائل و مسائل

نابالغ اولاد کا نان و نفقہ

سوال۔ مسلمانوں کی موجودہ سوسائٹی میں بہت سی خرابیاں موجود ہیں جن سے مظلوموں کی حق تلفی ہوتی ہے۔ ایک خرابی کے متعلق شریعت کی رہنمائی مطلوب ہے۔ اگر میاں بیوی میں ناچاقی کی بنا پر عورت کو طلاق ہو جاتے اور شیر خوار یا چھوٹے بچے ہوں تو وہ ماں کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں مگر ان بچوں کے نان و نفقہ کا مسئلہ بڑا پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ والد اس ذمہ داری کو قبول نہیں کرتا اور بالعموم یہ بوجھ بیچاری ماں کے سر ڈال دیا جاتا ہے اس معاملے میں اسلامی قانون کیا ہے؟ والد بچوں کے اخراجات کا ذمہ دار ہے یا نہیں اور ہے تو کتنی مدت تک کے لیے ہے؟ اس بارے میں اگر حنفی مسلک معلوم ہو جائے تو بہتر ہے کیونکہ اکثریت یہاں اسی مسلک پر عامل ہے۔ اور اگر یہ معاملہ عدالت تک پہنچے تو عدالتیں بھی عام طور پر زوجین کے مذہب فقہی کا لحاظ رکھتی ہیں اور اسی کے مطابق فیصلے دیتی ہیں۔

قرآن و حدیث میں اس کے متعلق کوئی حکم و ہدایت ہو تو اس کا حوالہ بھی دے دیں تاکہ اس طرح کے گھریلو تنازعے گھر ہی میں نمٹائے جا سکیں۔

جواب: فقہائے حنفیہ کے فتوے کے مطابق زوجین کے مابین طلاق یا تفریق ہو جانے کی صورت میں اگر والدہ حقِ حضانت کو استعمال کرتے ہوئے اولادِ صغار اپنے پاس رکھے تو دورانِ حضانت بچوں کا نفقہ والد اور والد کی عدم موجودگی کی صورت میں والد کے ورثاء کے ذمے ہوگا۔ جہاں تک زمانۂ شیر خوارگی کا تعلق ہے، اس میں تو والدہ کا نان و نفقہ بھی والد ہی کے ذمے ہے اور یہ بات قرآن مجید سے ثابت ہے۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۳۳ میں ہے:

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

(اور مائیں دُودھ پلائیں اپنے بچّوں کو پُورے دو سال اُس کے لیے جو رضاعت پُوری کرنا چاہتا ہو اور جس مرد کا بچّہ ہے اُس کے ذمّے ہے ماؤں کا کھانا کپڑا معروف دستور کے ساتھ)۔

اس آیت میں اگرچہ بچّوں کے بجائے ان کی والدہ کی خوراک و پوشاک کا ذکر ہے، لیکن یہ بات بالکل ظاھر ہے کہ جب دُودھ پلانے والی کا نفقہ ولباس والد کی ذمّہ داری ہے، تو حضانت کے دوران میں دُودھ پینے والے بچے کا نفقہ بدرجۂ اولیٰ والد ہی کے ذمّے ہوگا۔ عورت جب اپنے اخراجات کی مکلف نہیں ہے تو بچّے کے اخراجات کا بار اِس پر کیسے ڈالا جاسکتا ہے؟ پھر جب شیرخوارگی کی مدّت میں بچّے اور مُرضعہ دونوں کا نفقہ مرد پر واجب ہے تو یہ امر قرین قیاس و انصاف نہیں ہو سکتا کہ دُودھ چھڑانے کے بعد اگر بچّہ ماں کی حضانت میں رہے تو ماں اپنے نفقے کے ساتھ بچے کی بھی ذمہ دار قرار دی جائے۔ والد کو قرآن خود مَوْلُوْدٌ لَّهٗ فرمارہا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اولاد دراصل باپ ہی کی ہے، اس لیے وہی اس کے مستقبل اور سُود و زیاں کا نگران اور ذمّہ دار ہونا چاہیے۔

ہدایہ، کتاب الطلاق، باب الولد من احق بہ (اولاد کا زیادہ حقدار کون ہے)، اس میں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: والنفقۃ علی الاب (بچّے جو والدہ کے پاس ہوں گے ان کا نفقہ باپ پر ہے)۔ ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں اس مقام کی تشریح کرتے ہوئے ابن الھُمام تحریر فرماتے ہیں:

ھذا ان کان حیًا، فان کان میّتًا فعلی ذی الرحم الوارث علی قدر المواریث۔

(یہ نفقہ اگر والد زندہ ہو تو اس پر واجب ہے اور اگر مرجائے تو اس کے وارث رشتہ داروں پر بقدرِ وراثت واجب ہے)۔

آگے ہدایہ، باب النفقہ میں اسی بات کو دُہرایا گیا ہے۔ پہلے لکھتے ہیں:

ونفقۃ الاولاد الصغار علی الاب لا یُشارکہ فیھا احد

(نابالغ اولاد کا نفقہ والد پر ہے۔ اس ذمّہ داری میں کوئی دوسرا اس کے ساتھ شریک نہیں)۔

آگے پھر فرماتے ہیں:

ونفقۃ الصغیر واجبۃ علی ابیہ (اور چھوٹے بچّے کا نفقہ اس کے والد کے ذمّے ہے)۔

فقہائے احناف کا عام فتویٰ یہ ہے کہ والدہ کو لڑکے کے لیے سات برس تک اور لڑکی کے لیے نو برس تک حقِ حضانت حاصل ہے۔ اس مدت میں اگر وہ نکاحِ ثانی نہ کرے یا خاندان کے کسی ایسے مرد سے کرے جو اولادِ دانا شد کے لیے محرم ہو تو والدہ بچوں کو اپنی تحویل میں رکھنے کی زیادہ حقدار ہے۔ اس مدت کے بعد اگر والد مطالبہ کرے تو بچے واپس لے سکتا ہے۔

جہاں تک مجھے معلوم ہے رائج الوقت قوانین کے مطابق بھی دورانِ حضانت میں بچوں کے اخراجات کا ذمہ دار والد ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ تاہم اگر اس میں کوئی اختلاف و اشتباہ ہو، تب بھی اسلامی قانون کی تعبیر حنفی مسلک کی روشنی میں یہی ہے جو بالاختصار بیان کر دی گئی ہے۔

عذابِ قبر

سوال: میں اپنی دعاؤں میں عذابِ آخرت، عذابِ دوزخ اور عذابِ قبر سے پناہ مانگا کرتا ہوں۔ ایک صاحب جو منکرِ حدیث معلوم ہوتے ہیں انہوں نے میرا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ یہ عذابِ قبر تو کوئی چیز نہیں، محض مولویوں کی من گھڑت بات ہے۔ قرآن میں اس کا کہیں ذکر نہیں اور جن حدیثوں میں اس کا ذکر ہے وہ غلط بلکہ یہود کی سازش ہیں کیونکہ خود ان میں بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عذابِ قبر سے بچنے کی دعا نہیں مانگتے تھے لیکن جب ایک یہودی عورت نے حضرت عائشہؓ سے بیان کیا کہ قبر میں عذاب ہوتا ہے اور انہوں نے آنحضورؐ سے اس کا ذکر کیا تب آپ نے عذابِ قبر کی دعا مانگنا شروع کر دی۔ یہ صاحب کہنے لگے کہ اگر عذابِ قبر واقعی ہوتا ہے تو اس کے لیے ذریعہ معلومات بس ایک یہودن ہو سکتی تھی۔ اس کے متعلق کوئی مثبت واضح ثبوت بذریعہ وحی ہونا چاہیے تھا۔

پھر وہ کہنے لگے کہ عذاب و ثواب کا فیصلہ تو قیامت سے پہلے نہیں ہو سکتا، پھر فیصلے سے پہلے عذاب کے کیا معنی؟ ایک شخص اگر قیامت سے لاکھ برس پہلے فوت ہوا اور دوسرا قیامت ہی کے روز مرا تو ایک کو گویا لاکھ سال زیادہ عذاب کا شکار ہونا پڑا۔ پھر بے شمار قومیں اپنے مردے دفن ہی نہیں کرتیں، ان کے لیے عذابِ قبر کہاں ہوگا؟ براہ کرم ان سارے

سوالات و اعتراضات کا ایسا جواب دیں جن سے کم از کم میری اپنی حد تک تسلی ہو جائے۔

جواب: عذابِ قبر کے سلسلے میں سب سے پہلے یہ واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عذابِ قبر دراصل عذابِ برزخ ہے اور اس کا تعلق ہر حال میں زمین کے اُس گڑھے سے وابستہ نہیں ہے جس میں انسان دفن ہوتا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ حدیث میں اس کے لیے عذابِ قبر ہی کا لفظ استعمال ہوا ہے لیکن یہ اس لیے ہے کہ انسانی ذہن میں اور اس کے محاورۂ زبان میں قبر ہی وہ آخری منزل اور حدِ فاصل ہے جہاں یہ عالم ختم ہوتا ہے اور ایک دوسرے عالم کا آغاز ہوتا ہے۔ دوسرا عالم یعنی عالمِ برزخ درحقیقت روح کی زندگی ہے اور اس عالم میں جو واردات و کیفیات، عذاب و ثواب اور رنج و راحت کی طاری ہوتی ہیں، وہ روح ہی پر طاری ہوتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ روح اس کیفیت کو اس طرح محسوس کرے جیسے کہ وہ روح اور جسم دونوں پر وارد ہو رہی ہے مگر اس کا اصل محور روح ہی ہوتی ہے۔ اس لیے جس مردے کو قبر نصیب نہ ہو وہ بھی بہرحال حیاتِ برزخی اور اس کے عذاب و ثواب سے مستثنیٰ نہ ہوگا اور ایک قبر میں یکے بعد دیگرے کئی لاشیں دفن ہوں، تب بھی ہر ایک کی برزخی زندگی الگ ہوگی یا دوسرے لفظوں میں ہر ایک اپنی ایک مختلف قبر میں جائے گا۔

عذابِ قبر یعنی موت اور قیامت کے درمیانی وقفے کا عذاب بالکل حق ہے جو قرآن و حدیث دونوں سے ثابت ہے اور کسی مسلمان کے لیے اس سے انکار کی گنجائش نہیں۔ قرآن مجید سورۂ مومن، آیت ۴۵ میں یہ بیان ہے کہ قوم فرعون کے مردِ مومن کو اللہ نے فرعونیوں کی چالوں سے بچا لیا اور آلِ فرعون کو بدترین عذاب نے گھیر لیا۔ پھر اگلی آیت میں ارشاد ہے:

اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْھَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (آگ ہے جس کے سامنے وہ پیش کیے جاتے ہیں صبح و شام اور جس روز قیامت قائم ہوگی تو حکم ہوگا کہ آلِ فرعون کو سخت تر عذاب میں داخل کرو)۔

اِس آیت میں دو عذابوں کا الگ الگ ذکر ہے، ایک وہ جو قیامت سے پہلے وارد ہو رہا ہے اور دوسرا وہ جس میں فرعونیوں کے داخلے کا حکم قیامت کو ہوگا۔ پھر دونوں کی نوعیت اور باہمی فرق بھی واضح ہے۔ ایک عذاب ایسا ہے جو نسبتاً ہلکا ہے کیونکہ اس سے صبح شام آمنا سامنا کرایا جاتا ہے، دوسرا عذاب شدید تر ہوگا جب وہ سپردِ جہنم کر دیے جائیں گے۔ قبر کے سوال و جواب یا عذاب و ثواب کی جو تفصیلات حدیث میں آئی ہیں وہ اس آیت کے عین مطابق اور اس کی تشریح و توضیح ہیں، کیونکہ ان سے معلوم ہوتا

ہے کہ قبر میں جو کچھ پیش آتا ہے، وہ دراصل اس اچھے یا بُرے مستقبل کی تمہید ہے جو قیامت کے بعد پیش آنے والا ہے۔ انسان کو اس طرح معلوم و محسوس ہو جاتا ہے کہ وہ کیسے انجام سے دوچار ہونے والا ہے۔ برزخ اور قیامت کے عذاب کی اس وضاحت سے اس سوال و اعتراض کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ فیصلے سے پہلے عذاب کے کیا معنی؟ ظاہر ہے کہ جو شخص کسی جرم کے الزام میں ماخوذ ہو اس سے پولیس پوچھ گچھ اور احتساب بھی کرتی ہے، اُسے حوالات میں بھی بند کرتی ہے حالانکہ اس کا چالان ابھی عدالت میں برائے فیصلہ پیش نہیں ہوتا لیکن اس تواضع سے ملزم کو بہرحال یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ میں مُجرم کی حیثیت سے پکڑا گیا ہوں۔ یہی نوعیت عذابِ قبر کی ہے۔

عذابِ قبر اور اس کی تفصیلات کا ثبوت متعدد احادیث سے ملتا ہے مگر منکرینِ حدیث کی یہ عجیب روش ہے کہ جو حدیث یا حدیث کا جو ٹکڑا ان کے اپنے مطلب کا ہو یا جس سے حدیث پر اعتراض یا انکار کی گنجائش ان کے نزدیک نکل سکتی ہو، اس کو تو یہ لوگ سرنامہ بنا کر پیش کرتے ہیں، مگر احادیث میں جو چیز ان کے موقف کا ابطال کرتی ہو، اس سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ اب یہاں بھی یہی صورت ہے کہ انہوں نے یہودی عورت والا قصہ تو بیان کر دیا ہے مگر یہ نہیں بتایا کہ اُس عورت کی بات سے حضرت عائشہؓ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی اثر نہیں لیا تھا اور نہ محض اس کے کہنے پر عذابِ قبر سے بچنے کی دُعا شروع کی تھی۔ بلکہ احادیث میں صراحت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عذابِ قبر کی خبر اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی دی تھی، اور اسی کی بنا پر آپ نے یہ دعا مانگی۔ اب جبکہ آنحضورؐ نے واضح فرما دیا کہ عذابِ قبر ہونے کی وحی مجھ پر نازل ہوئی ہے اور آپ نے اس کے لیے دعائے استعاذہ بھی کی ہے تو اس کے بعد جو شخص اس عقیدہ و عمل کا انکار و استہزاء کرتا ہے، اُسے اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔

عذابِ قبر کا بیان جن احادیث میں ہے، ان کی سند میں کوئی ضعف نہیں، بلکہ وہ نہایت صحیح الاسناد ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث صحیح مُسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب استحباب التعوّذ من عذاب القبر میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

"حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے میرے پاس ایک یہودی عورت بیٹھی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی کہ تمہیں معلوم ہے کہ قبر میں عذاب ہوتا ہے۔ یہ سُن کر آنحضورؐ لرز گئے اور فرمایا کہ یہ عذاب یہود کو دیا جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ

کئی روز اس پر گزر گئے۔ پھر آنحضورؐ نے فرمایا: "تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ مجھ پر وحی ہوئی ہے کہ تم لوگ قبر میں آزمائے جاؤ گے (تُفْتَنُوْنَ فِی الْقُبُوْرِ)۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ اس کے بعد مَیں نے سُنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم عذابِ قبر سے پناہ مانگتے تھے۔"

یہ حدیث مُسندِ احمد، مرویاتِ عائشہؓ اور دوسری کتبِ حدیث میں بھی موجود ہے۔

اب سوال میں جس طرح حدیث کے حوالے سے بات بیان کی گئی ہے، اِس حدیث میں اس کے بالکل خلاف ہے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی عورت کے بیان کی بِنا پر آنحضورؐ عذابِ قبر کے قائل نہیں ہوئے تھے بلکہ آپ کو وحی کے ذریعہ سے مطلع کیا گیا تھا کہ قبروں میں (یعنی عالمِ برزخ میں) کفار و مومنین سب کی آزمائش ہو گی۔ جب آپؐ اللہ کے سچے نبی تھے اور آپ پر وحی بھی نازل ہو گئی تھی، تو پھر امورِ غیب کے معاملے میں آپ کو کسی یہودی عورت کے قول پر انحصار کرنے کی مطلق ضرورت نہ تھی۔

اب صرف ایک اعتراض باقی ہے کہ ایک شخص لاکھوں برس پہلے فوت ہوا اور دوسرا قیامت کے روز ہوا، تو پہلا شخص زیادہ گھاٹے میں رہا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس دنیا میں زمان و مکان کے پیمانے اور ہیں اور عالمِ برزخ و عالمِ آخرت میں اور ہیں۔ وہ مختلف اشخاص کے لیے مختلف بھی ہو سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جو شخص قیامت کے قریب فوت ہو اُسے ایک پل میں اس عذاب یا ثواب کا مزا چکھا دیا جائے جو لاکھ برس پہلے مرنے والے شخص کو قیامت تک دیا گیا ہے۔ خود اس دنیا میں نیند ایک ایسی حالت ہے کہ ہم ایک گھنٹہ سوتے ہیں مگر ہمیں ایسے خواب دکھاتے جاتے ہیں جن میں ہم سالہا سال کی طویل زمانی مسافت طے کر لیتے ہیں۔ جسم کی قید میں رہتے ہوئے ہمارا شعور اگر ایسے تجربات سے آشنا ہو سکتا ہے، تو جو قادرِ مطلق روح اور جسم کے اتصال کو ختم کر سکتا ہے، وہ زمانی تقییدات کا خاتمہ کر کے ایک شخص کے ایک دن اور دوسرے شخص کے لاکھ سال کے طول و عرض کو مُساوی بنا سکتا ہے۔ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر۔

فتاویٰ عالمگیریہ مترجم کی جزء ۱۴ بھی شائع ہو گئی

ناظم: محمد صادق سہگل آباد، ضلع جہلم